سیر و سوانح

ڈاکٹر معظم حسین

پروفیسر مختار الدین احمد

عربی و اسلامیات کے ایک جلیل القدر عالم، ڈھاکا یونیورسٹی کے شعبۂ عربی کے سابق صدر اور وہاں کے سابق وائس چانسلر کی وفات کی خبر بنگلہ دیش سے مجھے بہت تاخیر سے ملی، ہندوستان کے اخبارات و رسائل میں تو اس سانحۂ علمیہ کا ذکر بھی نہیں آیا۔

پروفیسر ڈاکٹر سید معظم حسین، متحدہ ہندوستان میں عربی ادب اور علوم اسلامی کے اہم علماء میں تھے، وہ پروفیسر مارگولیوتھ (۱۸۵۸ - ۱۹۴۰ء) مشہور مستعرب اور اوکسفورڈ یونیورسٹی کے شعبۂ عربی کے صدر کے نامور تلامذہ میں تھے۔ ڈھاکا یونیورسٹی سے امتیاز کے ساتھ عربی میں ایم اے کرنے کے بعد انھوں نے بنگال کی حکومت سے تحقیقی کام کرنے کے لیے وظیفہ حاصل کیا اور ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صدر شعبۂ عربی ڈھاکا یونیورسٹی کی نگرانی میں "غرائب القرآن" پر کام کرنا شروع کیا۔ ۱۹۲۶ء میں بنگال کی حکومت کی طرف سے تین سال کا وظیفہ پا کر عربی زبان و ادب کے تنقیدی مطالعے کے لیے انگلستان روانہ ہو گئے اور اوکسفورڈ یونیورسٹی میں داخل ہو کر کئی سال تک پروفیسر مارگولیوتھ کی نگرانی میں علمی تحقیقات میں مصروف رہے۔

مارگولیوتھ، اسلام کے خلاف جس قسم کے تعصبات کے شکار تھے ان سے دنیائے اسلام اچھی طرح واقف ہے، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ عربی ادب کی خدمات میں وہ اپنے معاصرین میں بہت ممتاز رہے ہیں۔ عربی مخطوطات کی ترتیب و تہذیب سے ان کی گہری دلچسپی تھی۔ ہمیں ان کا احسان بھولنا نہیں چاہیے کہ تراث اسلامی کی تلاش، بازیافت اور ان کی تصحیح و اشاعت کے کارناموں میں انھوں نے بھرپور حصہ لیا۔ قدیم مسلم مصنفین کی متعدد تصانیف انھوں نے خود مرتب کر کے یا اپنے احباب اور تلامذہ

سے مدوّن کراکے انھیں ضائع ہونے سے بچالیا۔ یاقوت الحموی کی معجم الادباء السمعانی کی کتاب الانساب اور ابوالعلاء المعری کی تصنیف رسائل المعری اور متعدد قدیم علماے عرب کی تصانیف نے ان کی بدولت نئی زندگی پائی۔ ان کے تلامذہ میں ہندوستانی طلباء میں افضل العلماء ڈاکٹر محمد عبدالحق (مدراس) ڈاکٹر عابد احمد علی (علی گڑھ) ڈاکٹر محمد عبدالحق (حیدرآباد) اور ڈاکٹر زاہد علی کے نام یاد آتے ہیں۔ اول الذکر سے انھوں نے دیوان ابن سناء الملک مرتب کرایا، جو دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد سے شائع ہوا، دوسرے سے ابن السکیت کی اصلاح المنطق اور تیسرے سے اسلامی عہد کے ایک شاعر پر کام کرایا۔ ڈاکٹر زاہد علی نے انھی کے مشورے سے دیوان ابن ہانیٔ الاندلسی کی ترتیب وتصحیح اور شرح کا کام انجام دیا جو مطبع المعارف قاہرہ سے ۱۳۵۲ء میں شائع ہوا۔

ڈاکٹر معظم حسین کے ذمے انھوں نے المفضل الضبی کی المفضلیات اور الاصمعی کی الاصمعیات کا انتخاب کتاب الاختیارین منسوب بابن السکیت کی تصحیح وتحشیہ اور انگریزی ترجمہ کا کام سپرد کیا۔ مکمل کتاب تو اب کہیں نہیں ملتی، اس کی جلد دوم کا نسخہ جرمن اسکالر فریتس کرینکو کے پاس تھا جسے ۱۹۱۳ء میں انڈیا آفس کی لائبریری کے لیے حاصل کرلیا گیا تھا، یہ جلد ۱۱۶ قصیدوں پر مشتمل ہے جن میں ۲۳ المفضلیات میں اور ۲۱ الاصمعیات میں موجود ہیں۔ ۷۲ قصیدے ایسے ملے جو ان دونوں کتابوں میں موجود نہ تھے۔ ڈاکٹر معظم حسین نے دو قصیدے خالد بن الصقعب النہدی اور جبیہا الاشجعی کے ایسے دریافت کیے جن کے بارے میں ان کا خیال ہے کہ وہ کتاب الاختیارین کے گم شدہ حصے کے ہیں، انھوں نے اس طرح ۷۴ قصیدوں کے متن کی تصحیح کی، ان پر حواشی لکھے، اشعار کی تخریج کی اور سارے قصیدوں کا انگریزی میں ترجمہ کیا اور ایک مفصل مقدمہ تحریر کیا۔ اکتوبر ۱۹۲۸ء میں انھوں نے اپنا کام مکمل کرکے یونیورسٹی میں داخل کیا جس پر دسمبر میں انھیں ڈاکٹریٹ تفویض ہوئی۔

قدیم عرب مصنفین کی نادر اور اہم کتابوں کی تلاش میں انھوں نے یورپ، ترکی، سوریا، فلسطین اور مصر کا سفر کیا اور وہاں کے عربی واسلامیات کے اہم مراکز میں جاکر عربی مخطوطات کا مطالعہ کیا۔ وہ پیرس، میلان، وینس، میونک، لایپزگ، ویانا، بڈاپسٹ، بلگریڈ ہوتے ہوئے استانبول پہنچے جہاں سے وہ دمشق، بیروت، یروشلم اور قاہرہ گئے

اور کچھ دن قیام کر کے وہاں کے کتب خانوں سے مستفید اور علماء سے مستفیض ہوئے۔

ڈاکٹر سید معظم حسین، یورپ اور شرقِ اوسط سے ڈھاکا واپس آنے پر، مارچ ۱۹۳۰ء کو یونیورسٹی کے شعبۂ عربی و اسلامیات میں ریڈر مقرر ہوئے۔ ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۸ء تک وہ بحیثیت پروفیسر اور صدر شعبہ کے خدمات انجام دیتے رہے اور آخر میں ترقی کر کے اسی یونیورسٹی کے جس کے وہ کبھی طالب علم رہے تھے، وائس چانسلر مقرر ہوئے۔ وہ علمی ذوق و شوق کے ساتھ انتظامی صلاحیتیں بھی رکھتے تھے۔ ۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۸ء تک وہ سر سلیم اللہ مسلم ہال کے پرووسٹ رہے اور ۱۹۳۷ء سے ۱۹۴۰ء تک آرٹس کی فیکلٹی کے ڈین۔ ۲۲ اکتوبر ۱۹۴۸ء کو وہ ڈھاکا یونیورسٹی کے وائس چانسلر مقرر ہوئے۔ اس عہدۂ جلیلہ پر وہ ۸ نومبر ۱۹۵۳ء تک فائز رہے۔ ۱۹۳۷ء سے ۱۹۵۳ء تک یونیورسٹی انتظامیہ سے ان کا گہرا تعلق رہا اور اس عرصے میں انھوں نے قابلِ قدر کارنامے انجام دیے۔ بعد کو وہ فیڈرل پبلک سروس کمیشن، پاکستان کے رکن مقرر ہوئے۔ وہ ملک کی آزادی کی مہم میں بھی سرگرم رہے اور بعد کو ۱۹۵۳ء میں بنگلہ زبان کی تحریک میں بھی انھوں نے بھرپور حصہ لیا۔

تصانیف:

ڈاکٹر معظم حسین نے عربی کے چار اہم مخطوطات پہلی مرتبہ مرتب کر کے شائع کیے:

ا۔ نخبة من كتاب الاختيارين للاخفش الاصغر: المفضل الضبی (متوفی ۱۶۴ھ) نے قدیم اور اہم عربی شعرا کے قصائد کا ایک انتخاب تیار کیا، یہ المفضّلیّات کہلایا۔ عبدالملک بن قریب الاصمعی (متوفی ۲۱۶ھ) کے جمع کیے ہوئے قصائد الاصمعیات کے نام سے مشہور ہوئے، یہ مختارات بہت پسندیدگی کی نظر سے دیکھے گئے اور ان کی متعدد شرحیں لکھی گئیں۔ الاخفش الاصغر (۲۳۵۔۳۱۵ھ) نے دونوں مجامیع شعری سے کچھ اہم قصائد کا انتخاب مرتب کیا اور ان کی شرح لکھی۔ اس انتخاب نے کتاب الاختیارین کے نام سے شہرت پائی، عجیب اتفاق ہے کہ چوتھی اور پانچویں دو صدیوں تک یہ کتاب مفقود الخبر رہی، اس عہد کا کوئی مصنف اس کا ذکر نہیں کرتا۔ ابن خیر الاشبیلی پہلا مصنف ہے جو اس کتاب کا ذکر کرتا ہے، لیکن یہ چھٹی صدی ہجری کی بات ہے۔ اس کے بعد یہ کتاب پھر گم ہو جاتی ہے اور تقریباً ۸۰۰ سال تک کسی مصنف کے یہاں اس کا ذکر نہیں پایا جاتا اور نہ کسی کتاب خانے میں اس کے وجود کی اطلاع ملتی ہے، عربی زبان و ادب

کے نامور عالم اور یورپ کے مشہور مستعرب ڈاکٹر فرینٹس کرینکو جو اسلام کی طرف مائل ہونے کے بعد اپنی عربی تحریروں میں اپنے کو سالم الکرنکوی لکھنے لگے اور جن کا دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد اور مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے گہرا تعلق رہا، پہلے اسکالر ہیں جن کے ذریعہ ۱۳۲۵ھ میں عربی زبان وادب کے محققین کتاب الاختیارین کے وجود سے واقف ہوئے۔ انھوں نے اسی نادر کتاب سے جس کا نسخہ منحصر بفرد ان کے پاس تھا، طفیل بن عوف الغنوی کا ۷۷ شعروں پر مشتمل قصیدۂ بائیہ نقل کرکے رایل ایشیاٹک سوسائٹی لندن کے جرنل میں ۱۹۱۰ء میں شائع کیا۔ جب انھوں نے ۱۹۲۷ء میں لندن سے دیوان طفیل الغنوی شائع کیا تو کتاب الاختیارین ان کے اہم مصادر میں تھی۔

اپریل ۱۹۷۶ء میں ایک عالمی کانفرنس میں شرکت کے لیے میں سوریہ گیا ہوا تھا جہاں جامعۂ حلب میں اس کے جلسے ہو رہے تھے، وہاں ڈاکٹر فخرالدین قباوہ سے ملاقات ہوئی جو اس وقت جامعہ میں مدرسِ نحو وادب تھے۔ دوران گفتگو انھوں نے علامہ عبدالعزیز المیمنی اور ڈاکٹر معظم حسین کی خیر وعافیت دریافت کی۔ میں نے کہا افسوس ہے کہ یہ دونوں مشاہیر اب ہندوستان میں نہیں ہیں۔ میمن صاحب کراچی میں مقیم ہیں اور معظم حسین صاحب کا وطن ڈھاکا ہے جو اب بنگلہ دیش میں ہے اور وہ وہیں سکونت پذیر ہیں۔ ڈاکٹر قباوہ نے اطلاع دی کہ ڈاکٹر معظم حسین نے کچھ منتخب قصائد مرتب کیے تھے، میں نے کتاب الاختیارین کی اہمیت کے پیش نظر اس کے جزو دوم کا مکمل متن اپنے حواشی وتعلیقات کے ساتھ ابھی حال میں دمشق سے شائع کیا ہے۔ انھیں صنعاء (یمن) میں اس کا ایک اور نسخہ مل گیا ہے، لیکن وہ بھی صرف دوسری جلد کا، پہلی جلد اب بھی مفقود ہے۔ انھوں نے دلچسپ اطلاع دی کہ کتاب الاختیارین ابن السکیت کی تالیف نہیں جیسا کہ کرینکو اور معظم حسین سمجھتے ہیں، بلکہ یہ انتخاب الاخفش الاصغر کا کیا ہوا ہے، انھوں نے اس کے دلائل بھی دیے جو مجھے تشفی بخش معلوم ہوئے۔ میں نے کہا اصل بات یہ ہے کہ کرینکو کو کتاب کی صرف دوسری جلد ملی، پہلی جلد کے سرورق پر دیباچے یا ترقیمے میں جامع کتاب کا نام ہو سکتا تھا، لیکن یہ جلد اب بھی مفقود ہے بعض قیاسات کی بنا پر کرینکو اور ڈاکٹر معظم حسین نے ابن السکیت کو اس کا جامع ٹھہرایا تھا۔ الاستاذ فخرالدین قباوہ نے معظم حسین کے شائع کردہ متن، اس کے حواشی اور مقدمے سے استفادہ کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے: "أفادني كثيراً في تصويب بعض العبارات وزيادة بعض الأبيات"۔

نخبة من كتاب الاختيارين کو ڈاکٹر معظم حسین نے ڈھاکا یونیورسٹی کے خرچ پر مطبع لطیفیہ دہلی سے ۱۳۵۴ھ/۱۹۳۶ء میں شائع کیا۔ اس کا انتساب انھوں نے اپنے شفیق استاذ پروفیسر مارگولیتھ کے نام کیا ہے۔ الاستاذ فخر الدین قباوہ کا مرتب کردہ ایڈیشن مجمع اللغۃ العربیہ دمشق نے ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء میں شائع کیا ہے، جلد اول اب بھی کہیں مل جائے تو اس کا امکان ہے کہ اصل جامع کتاب کا معاملہ طے پاجائے۔ ویسے فی الحال یہ مان لینے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ یہ انتخاب الاخفش الاصغر کا کیا ہوا ہے۔

۲۔ كتاب معرفة علوم الحديث للحاكم النيسابوري: یہ الامام الحاکم ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحافظ النیسابوری (۳۲۱ - ۴۰۵ھ) کی مشہور تصنیف ہے۔ ان کی کتاب المستدرک نے بہت شہرت پائی، عرصہ ہوا یہ دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدر آباد سے شائع ہوگئی ہے۔ المدخل الی علم الصحیح شیخ محمد راغب الطباخ نے حلب سے ۱۳۵۱ھ میں شائع کر دی ہے، اس وقت معرفة علوم الحديث شائع نہیں ہوئی تھی، ڈاکٹر معظم حسین نے اپنے آکسفورڈ کے کام سے فارغ ہونے کے بعد ۱۹۲۹ء میں اپنے ہاتھ سے برٹش میوزیم کے نسخے کی نقل تیار کی، پھر یورپ، ترکی، شام اور مصر میں انھیں اس کے مزید سات نسخے ملے، جن سے حتی المقدور انھوں نے مقابلۂ متن و تصحیح کلمات میں فائدہ اٹھا کر اس کا متن مرتب کیا اور ڈاکٹر کرینکو کے مشورے پر دائرۃ المعارف حیدر آباد کو اشاعت کے لیے بھیج دیا۔ حسن اتفاق سے اس کتاب کے مزید تین نسخے کتب خانۂ خدابخش، ذخیرۂ حبیب گنج علی گڑھ اور مکتبۂ آصفیہ حیدر آباد میں مل گئے۔ نسخۂ خدابخش کا تو انھوں نے پٹنہ جا کر اپنے تیار کیے ہوئے نسخے سے خود مقابلہ کیا، بقیہ دو نسخوں سے سید محمد ہاشم ندوی مدیر دائرۃ المعارف کی نگرانی میں دائرے کے مصححین نے مقابلہ کیا، یہ کتاب دائرۃ المعارف کے اخراجات پر مطبع دار الکتب المصریہ قاہرہ میں ۱۳۵۶ھ/۱۹۳۷ء میں چھپی۔ اس کا دوسرا ایڈیشن مطبع دائرۃ المعارف حیدر آباد سے ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۶ء میں اور تیسرا اڈیشن بیروت سے ۱۹۷۷ میں شائع ہوا۔ جہاں یورپ کے مستعربین اور شرق اوسط کے فضلا نے ڈاکٹر معظم حسین کے اس علمی کام کو بہت سراہا، وہاں ہمارے قدیم علما، مولانا فضل حق رامپوری (صدر مدرس مدرسۂ عالیہ رام پور)، شمس العلماء، مولانا محمد اسحاق بردوانی (نائب صدر مدرسہ عالیہ کلکتہ و استاذ دینیات کلیۂ اسلامیہ ڈھاکا)، شمس العلماء مولانا محمد ولایت حسین (مدرسۂ عالیہ کلکتہ)

شمس العلماء، مولانا محمد یحییٰ صدر مدرس مدرسۂ عالیہ کلکتہ نے طباعت سے پہلے اس کتاب کے مسودے کو دیکھ کر بہت اچھی رائیں لکھیں۔ ان علماء کی عربی تحریرات کی نقل پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق نے ڈھاکا سے مجھے بھیجی ہیں، میں اس عنایت کے لیے ان کا ممنون ہوں۔

۳۔ اشعار سراقہ بن مرداس البارقی

سراقہ بن مرداس الأزدی البارقی اموی عہد کا ایک قدیم شاعر ہے جو جریر و فرزدق کا معاصر تھا۔ طبقات الشعراء الجمحی، المؤتلف والمختلف للآمدی اور العقد الفرید لابن عبد ربہ میں اس کا مختصر سا ذکر ہے۔ کتاب الأغانی جیسی ضخیم کتاب میں اس کے صرف ڈو مقطوعے درج ہیں اور وہ بھی کثیر اور جریر کے حالات کے ضمن میں، نقائض جریر و فرزوق اور بعض مصادر میں جریر و سراقہ کی مہاجات کے سلسلے میں بعض اطلاعات ملتی ہیں، طبری اور دوسرے مورخین کے یہاں اگر اس کا نام آیا بھی ہے تو مختار بن عبید الثقفی سے آویزش کے سلسلے میں۔

سراقہ کی زندگی کے حالات پر تاریکی کا پردہ پڑا ہوا ہے۔ سال ولادت کیا سال وفات تک نہیں معلوم۔ بس اس قدر معلوم ہے کہ وہ ۶۶ھ میں مختار بن عبید الثقفی سے برسر پیکار تھا۔ اس جنگ میں وہ گرفتار ہوا لیکن اپنی مداہنت اور شاعری کی بنا پر وقتی طور پر اس نے نجات حاصل کرلی، ابن کثیر کی البدایۃ والنہایۃ میں ۷۹ھ کے حوادث و واقعات کے ذیل میں اس کا نام متوفین میں ملتا ہے، امالی الزجاجی سے بھی (مات فی حدود ثمانین من الهجرة) اس کے سال وفات کی تعیین میں مدد ملتی ہے۔

سراقہ کا مکمل دیوان (اگر کبھی مرتب ہوا تھا تو وہ) مفقود ہے۔ ابن الندیم کی کتاب الفہرست اور عبد القادر البغدادی کی خزانۃ الادب میں اس کا ذکر نہیں۔ ڈاکٹر معظم حسین کو ویانا (آسٹریا) کے قومی کتب خانے میں اس کے اشعار کا ایک مختصر سا مجموعہ دست یاب ہوا، جسے فروری ۱۹۰۲ء میں غالباً کسی مستعرب نے برلن کے شاہی کتب خانے کے نسخے سے نقل کیا تھا۔ معلوم ہوا برلن کا نسخہ خود دار الکتب المصریہ قاہرہ کے ایک جدید العہد نسخے (مکتوبہ ۱۲۷۹ھ) سے منقول ہے۔ حسن اتفاق سے ترکی میں کتب خانۂ عاشر آفندی میں اس کے اشعار کے ایک مجموعے پر ڈاکٹر معظم حسین کی نظر پڑی لیکن یہ بھی ناقص تھا اور درمیانی اوراق غائب تھے۔ اسی زمانے میں قاہرہ کے دوران سفر انھیں دار الکتب میں متعدد شعرائے عرب کے کلام پر مشتمل ایک مجموعہ[۱] علامہ الشنقیطی[۲] کے ہاتھ کا لکھا ہوا (مکتوبہ ۱۲۹۳ھ) حاشیہ[۱] اگلے صفحہ پر

ملا جس میں سراقہ کے کچھ ایسے اشعار بھی درج تھے جو ویانا اور ترکی کے مقدم الذکر نسخوں سے غیر حاضر تھے۔ ڈاکٹر معظم حسین نے ان تینوں مخطوطات (جن میں نسخۂ عاشر آفندی سب سے اہم ہے) کو پیش نظر رکھ کر سراقہ نے قصائد و مقطوعات کو بہت محنت، دیدہ ریزی اور نہایت احتیاط سے مرتب کیا، جن مصادر میں یہ اشعار ملے ان سے ان کا مقابلہ کیا اور متن کی تصحیح میں ان سے مدد لی، انھوں نے اسے جرنل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن کے دو شماروں (جولائی، اکتوبر ۱۹۳۶ء) میں ۳۵ صفحات پر شائع کیا۔ اس میں سراقہ کے اہم قصائد و مقطوعات ہیں۔ بعض قصائد طویل ہیں اور ۵۷ اور ۷۹ ابیات پر مشتمل اور بعض مقطوعات دو دو تین تین اور چار چار شعروں کے ہیں، موضوع کے لحاظ سے یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس میں دو قطعے عبدالرحمٰن بن مخنف اور ان کے بھائی محمد بن مخنف کے مرثیے میں ہیں، دو مختصر قطعات ابراہیم بن الاشتر پر ہیں اور دو جریر اور ایک فرزوق کی ہجو میں ہے۔ ان کے علاوہ بھی کچھ قصائد و مقطوعات ہیں۔

تقریباً چالیس سال کے بعد ڈاکٹر حسین نصار نے دیوان سراقة البارقي لجنة التاليف والترجمة والنشر قاہرہ کی طرف سے شائع کیا، ان کے سامنے وہی

حاشیہ صفحۂ گذشتہ:

۱؎ مرحوم نے اس کا نام نہیں لکھا، لیکن میرا قیاس ہے کہ یہ "طرائف الطرب من اشعار العرب" کا نسخہ ہوگا جسے علامہ الشنقیطی ترکیا کے ا[illegible] کتب خانے سے نقل کرکے لائے تھے۔

۲؎ علامہ الشنقیطی، ادیب لغوی احمد بن الامین الشنقیطی المصری (۱۸۷۲-۱۹۱۲) مؤلف الوسیط فی تراجم ادباء شنقیط (مطبوعہ مصر ۱۹۱۱ء) سے مختلف ہیں۔ یہ محمد محمود بن تلامیذ الترکزی الشنقیطی (۱۸۱۶-۱۹۰۴) ایک ترک عالم ہیں جو عربی ادب اور انساب کے ماہر تھے۔ میرے استاد علامہ عبدالعزیز المیمنی الاثری السلفی (۱۸۸۸-۱۹۷۸) انھیں ۱۹ویں صدی میں عربی کا سب سے بڑا عالم سمجھتے تھے۔ سلطان عبدالحمید (۱۸۴۲-۱۹۱۸ء) نے عربی مخطوطات کی تلاش میں انھیں ہسپانیہ بھیجا تھا۔ انھوں نے وہاں کے بہت اہم مخطوطات حاصل کیے اور متعدد نادر کتابوں کی انھوں نے خود نقل تیار کی۔ متعدد نادر مخطوطات ان کے ہاتھ کے نقل کیے ہوئے دارالکتب المصریہ قاہرہ میں میری نظر سے گزرے ہیں اور بعض کے عکس بھی میرے پاس موجود ہیں۔ ان کی تحریر اس قدر منفرد ہے کہ دور سے پہچانی جاسکتی ہے۔ ان کی کتاب "تصحیح کتاب الاغانی" (مصر ۱۹۱۵) علماء میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔

نسخے تھے جن سے ڈاکٹر معظم حسین استفادہ کر چکے تھے، اس فرق کے ساتھ کہ مرحوم کے پیشِ نظر ترکی کا اصل نسخہ کتب خانۂ عاشر آفندی کا تھا اور ڈاکٹر حسین نصار کے سامنے اس سے تیار کی ہوئی ایک نقل نویس کی نقل۔

ڈاکٹر حسین نصار نے ابتدا میں ایک تفصیلی پُر معلومات مقدمہ لکھا ہے اور متن پر بہت محنت سے تفصیلی حواشی لکھے ہیں، اتنے تفصیلی کہ القینة (الأمة مغنية كانت أوغير مغنية)، القطا (نوع من الطير)، المبين (الواضح)، اليفاع (المرتفع من الارض)، السمهرية (القناة الصلبة)، هزبر (الأسد)، الليث (الأسد)، المدامة (الخمر)، الطرف (العين)، البيداء (الصحراء)، الفكاهة (المزاح)، الهيجاء (الحرب) جیسے مشہور لفظوں کے بھی معانی درج کیے ہیں جن سے عربی مدرسوں کے ابتدائی درجے کے لڑکے بھی واقف ہوں گے۔ انھوں نے حسان بن ثابت رضؓ، الاعشی، لبید، مصعب بن الزبیر، ابن الاعرابی، محمد بن حبیب البغدادی اور السکری وغیرہم پر بھی سوانحی نوٹس تحریر فرمائے ہیں جو معروف اشخاص ہیں، لیکن جہاں حواشی کی ضرورت تھی وہاں وہ خاموش رہے ہیں۔

دیوان مطبوعہ کے آخری صفحے (ص۱۰۶) پر سراقہ کے یہ دو شعر ہیں:

قالوا سراقة عنّينٌ فقلت لهم　　الله يعلم انى غير عنّينِ

فان ظننتم بى الشى الذى زعموا　　فقربونى من بنت ابن ياسين

ذیلی حاشیے میں مرتب نے العنّین کی تشریح کی ہے: الذى لايقدر على اتيان النساء، أولا يشتهى النساء" لیکن یہ نہیں لکھا کہ یہ بنت ابن یاسین (یا بنت ابن یامین) کون ہے۔ یہ اطلاع ہمارے لیے مفید ہوتی۔

خاتمۂ دیوان پر اصل نسخے میں یہ سطریں درج ہیں: "هذا آخر ما وجدته بخط الحسين بن على النمرى، يقول هذا آخر ما وجدته بخط السكّرى، يقول هذا آخر ما وجدته فى كتاب ابن حبيب والحمد لله. ووجدت بخط الشيخ ابى احمد بعد ذلك: قابلت بجميع ما مضى، واعلمت عليه وكتبت مالم يكتب فيه فى الحواشى"

مرتب دیوان نے ابو احمد پر دس سطروں کا نوٹ لکھا ہے۔ ان کے خیال میں یہ ابو احمد، مصنفِ کتاب التصحیف، أبو أحمد الحسن بن عبد اللہ العسکری اللغوی (۲۹۳ -

۳۸۲ھ) ہیں۔ یہ قرین صواب نہیں۔ یہ ابوالعلاء المعری کے دوست ابواحمد عبدالسلام البصری خازن دارالعلم بغداد (متوفی ۴۰۵ھ) ہیں۔ ابوعبداللہ الحسین بن علی النمری مصنف کتاب الملمّع کی وفات ۳۸۵ھ میں ہوئی اور ابواحمد العسکری کی تاریخ وفات ۳۸۲ھ ہے یعنی النمری کی وفات سے تین سال پہلے العسکری وفات پا چکے تھے۔ ابواحمد مذکور کو ۳۸۵ھ کے بعد کا ہونا چاہیے۔ یہ ابواحمد عبدالسلام الخازن ہی ہو سکتے ہیں۔

مرتب دیوان نے ڈاکٹر معظم حسین کی علمی کوشش، نسخوں کی تلاش، اس کے قابل قابل قدر مقدمے اور حواشی کا ذکر نہیں کیا۔ اپنے مقدمۂ دیوان کی آخری سطور میں صرف یہ لکھنے پر اکتفا کیا کہ س۔م حسین الہندی نے مجلة الجمعية الملكية الاسيوية لندن میں ۱۹۳۶ء کے دو شماروں میں اسے نشر کیا ہے اور یہ کہ ہمارے اڈیشن سے پہلے دیوان سرقہ مستقل کتابی صورت میں طبع نہیں ہوا۔ یہ مناسب اور علمی طریقہ نہیں۔ انھوں نے یہ نہیں لکھا کہ انھوں نے اس سے فائدہ اٹھایا یا نہیں۔ دیوان کی ترتیب جدید کے وقت ڈاکٹر مرحوم کا کام ان کے پیش نظر ضرور رہا ہوگا اور اس سے انھوں نے استفادہ بھی کیا ہوگا۔ لیکن پوری کتاب میں مرحوم کا کہیں ذکر نہیں۔ اگر معظم حسین کا مرتب کردہ متن انھوں نے پیش نظر نہیں رکھا تو بھی یہ بات قابل اعتراض ہے۔ کسی قلمی نسخے کی ترتیب و اشاعت کے وقت حتی الامکان سارے مخطوطات، اور اگر کتاب چھپ گئی ہو تو مطبوعہ اڈیشن بھی سامنے رکھنا شرق و غرب کے علماء کا دستور رہا ہے۔ ڈاکٹر معظم حسین کا مرتب کردہ دیوان کا متن دنیا کے ایک مشہور رسالے میں لندن سے شائع ہوا تھا جس سے استفادہ مشکل نہ تھا۔

(۴) كتاب الرموز

یہ رسالہ مجلة المجمع العلمي العربي (دمشق) کے دو شماروں ۱۲،۱۱ (بابت نومبر۔ دسمبر ۱۹۳۱ء) میں شائع ہوا۔

یورپ، ترکی اور شرق اوسط کے قیام و سفر کے دوران ڈاکٹر معظم حسین کو عربی کے اہم مخطوطات کے مطالعے کے بڑے مواقع ملے۔ کچھ کے عکسی نقول وہ ساتھ لائے ہوں تو عجب نہیں۔ مجھے یہ معلوم ہے کہ منتهى الطلب من أشعار العرب لابن ميمون البغدادي سے ان کی گہری دلچسپی تھی۔ انھوں نے اس پر انگریزی میں ایک مضمون بھی لکھا تھا اور اس کتاب سے ایک قصیدہ انھوں نے شائع بھی کیا تھا۔ اس

بات کا خاصا امکان ہے کہ انھوں نے مکمل کتاب نہ سہی اس کا ایک حصہ مرتب کیا ہو لیکن شائع نہ کر سکے ہوں۔

ڈاکٹر معظم حسین کی ایک تحریر مورخہ اکتوبر ۱۹۲۸ء سے جو آکسفورڈ میں لکھی گئی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ وہ الأصمعیات کا مکمل اڈیشن مرتب کر کے شائع کرنا چاہتے تھے۔ اس اڈیشن کی تکمیل اور اس کی اشاعت کے بارے میں پھر کوئی اطلاع نہیں ملی۔ الأصمعیات کا وہ اڈیشن جو مستعرب آلوردنے برلن سے ۱۹۰۲ء میں شائع کیا تھا غیر مکمل تھا۔ ڈاکٹر معظم حسین کے سامنے اس کا وہ قلمی نسخہ تھا جو کتب خانہ کوپرولو، ترکی میں محفوظ ہے۔

ڈاکٹر معظم حسین کے اعزہ وتلامذہ اور ڈھاکا یونیورسٹی کے شعبۂ عربی کے اساتذہ اگر ان کے ذخیرۂ کاغذات میں منتہی الطلب اور الأصمعیات کے سلسلے کے مسودات تلاش کر سکیں تو یہ ایک مفید علمی خدمت ہوگی، ہر چند کہ اب الاصمعیات کا بہت اچھا اڈیشن قاہرہ سے نکل آیا ہے اور منتہی الطلب کے کچھ اجزا بھی اشاعت پذیر ہو چکے ہیں۔

○

مقالات:-

ڈاکٹر معظم حسین نے زیادہ تر مقالات انگریزی میں لکھے ہیں۔ ان کا عربی میں ایک مقالہ جو دمشق میں چھپا تھا میری نگاہ سے گزرا ہے، ممکن ہے انھوں نے اور بھی لکھے ہوں۔

۱۔ الخیل والابل فی الشعر الجاهلی مجلة المجمع العلمی العربی دمشق (جلد ۲۲ ص۱۲۱-۱۲۹) میں شائع ہوا۔

۲۔ ایک غیر معروف قدیم عربی قصیدہ روداد اجلاس ششم آل انڈیا اورینٹل کانفرنس (مصنفہ نزار بن ہاشم الاسدی) پٹنہ میں چھپا (دسمبر ۱۹۳۰ء)

۳۔ بنگال میں اسلامی تعلیمات مطبوعہ اسلامک کلچر حیدرآباد (جلد ۸ شمارہ ۳) ۱۹۳۴ء۔

۴۔ قدیم عربی شاعری کا ایک غیر معروف مجموعہ روداد اجلاس ہشتم آل انڈیا اورینٹل کانفرنس، ۱۹۳۵ء۔

۵۔ اشعار سراقہ بن مرداس البارقی — مطبوعہ جرنل آف دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن، ۱۹۳۶ء

۶۔ تلبیات الجاهلیة — مطبوعہ روداد اجلاس نہم، آل انڈیا اورینٹل کانفرنس، (ترپونڈرم) ۱۹۳۷ء

۷۔ الأصمعیات — اجلاس دہم آل انڈیا اورینٹل کانفرنس (ترویتی)

۸۔ بہارستان غیبی — مطبوعہ اسٹار آف انڈیا (مئی ۱۹۳۵ء)

۹۔ عہد سلطنت دہلی (۱۲۰۶-۱۳۷۰ء) میں اہل الذمہ مطبوعہ اسٹڈیز ان اسلام شمارہ ۴ (۱۹۶۷ء)

۱۰۔ اسلام میں تعزیرات پر توبہ کا اثر — مطبوعہ اسلامک اسٹڈیز شمارہ ۸، ۱۹۶۹ء

ڈاکٹر معظم حسین مرحوم کے لائق شاگرد ڈاکٹر محمد اسحٰق (سابق صدر شعبۂ عربی و اسلامیات ڈھاکا یونیورسٹی) نے ان کی حسب ذیل کتابوں، رسالوں اور مقالات کے نام اور عنوانات لکھ کر بھیجے ہیں یہ غالباً کہیں شائع نہیں ہوئے۔

(۱) دیوان النابغة الشیبانی اموی عہد کے مشہور عربی شاعر کا دیوان۔

(۲) لهجات القرآن

(۳) کتاب الانواء لابن قتیبة

(۴) کتاب الأمر بالمعروف والنهی عن المنكر (علم حدیث)

(۵) طرائف الطرب من اشعار العرب۔ عربی شاعری کا ایک قدیم غیر معروف مجموعہ۔

(۶) تحفة الفلاحین۔ ایک عربی تصنیف فن زراعت پر۔

(۷) اس فہرست میں "غرائب القرآن" کا ذکر نہیں جس پر مرحوم، ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کی نگرانی میں بحیثیت ریسرچ اسکالر یورپ جانے سے پہلے کام کر رہے تھے۔ یہ مسودہ بھی تلاش کرنا چاہیے۔ کام کی نوعیت مجھے معلوم نہیں ہو سکی۔ یا تو غرائب قرآن کے موضوع پر وہ مقالہ لکھ رہے ہوں گے، یا اس نام کی کسی غیر مطبوعہ کتاب کا متن اپنے حواشی کے ساتھ وہ مرتب کر رہے ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ یہ عُزیر السجستانی (متوفی ۳۳۰ھ) کی مشہور غریب القرآن ہو گی جس کے نسخے کثرت سے ملتے ہیں اور اب متعدد بار شائع ہو چکی ہے۔

میرا خیال ہے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، کے جرنل اور بنگلہ دیش کے علمی انگریزی

رسالوں میں بھی ان کے مضامین ضرور شائع ہوئے ہوں گے، لیکن وہ میری نظر سے نہیں گزرے اس کا بھی امکان ہے کہ عربی ادب اور اسلامیات پر ان کے مضامین بنگلہ زبان کے رسائل میں اشاعت پذیر ہوئے ہوں۔

ڈاکٹر معظم حسین اور الاستاذ عبدالعزیز المیمنی میں گہرے علمی روابط قائم تھے، قدیم عربی شاعری کا مطالعہ ان دونوں کا مشترک موضوع تھا۔ مرحوم کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ متن کی تصحیح اور قدیم مصنفین و شعرا کے حالات کے متعلق جب بھی انھیں مشکلات پیش آئیں تو انھوں نے بغیر کسی تکلف کے الاستاذ المیمنی کی طرف رجوع کیا، الاستاذ نے ایک تحریر مجھے لکھ کر دی تھی جن میں ان سے مستفید ہونے والوں کے کچھ نام تھے، یورپ، شرق اوسط اور ہندوستان کے بعض جلیل القدر علماء کے ساتھ ڈاکٹر معظم حسین مرحوم کا بھی نام ثبت تھا، ڈاکٹر معظم حسین بھی نئی اور اہم مخطوطات کے بارے میں الاستاذ کو اطلاع دیتے رہتے تھے۔ منتهى الطلب لابن ميمون کی دریافت ڈاکٹر معظم حسین کی کوششوں کا نتیجہ ہے، انھوں نے دریافت کرتے ہی الاستاذ کو اس کی اطلاع دی اور ان کی طلب پر شعرا اور ہزار قصیدوں کی مکمل فہرست انھیں بھیج دی۔ یہ فہرست شعراء و قصائد جو ڈاکٹر مرحوم کی ٹائپ کی ہوئی ہے، اب میرے ذخیرۂ محفوظات میں ہے۔

○

سید معظم حسین ۹ اکتوبر ۱۹۰۱ء کو بنیارا ضلع ٹنگیل بنگال میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے کلکتہ یونیورسٹی سے ۱۹۱۸ء میں میٹریکولیشن، ۱۹۲۰ء میں آئی اے اور ۱۹۲۲ء میں ڈھاکا یونیورسٹی سے عربی لے کر بی اے (آنرز) اور ۱۹۲۴ء میں ایم اے کیا۔ ان سارے امتحانات میں وہ فرسٹ ڈویزن لائے اور بعض میں انھوں نے پوزیشن حاصل کی۔ عربی ادب کے علاوہ انھیں تفسیر و حدیث سے بھی خاصا شغف رہا جس کی تعلیم انھوں نے شمس العلماء مولانا نذیر حسین (ڈھاکا یونیورسٹی) سے حاصل کی۔ اوکسفورڈ کے مقام کے دوران میں بھی انھوں نے ان مضامین کا مطالعہ جاری رکھا اور اس سلسلے میں بھی انھیں مارگولیوتھ کی رہنمائی حاصل رہی۔ ڈاکٹر کرینکو کے مشورے پر انھوں نے حدیث و متعلقات حدیث کی امہات کتب کا مطالعہ کیا اور حدیث شریف سے اپنی گہری دلچسپی کی بنا پر امام حاکم نیسابوری کی کتاب معرفة علوم الحديث جو گمشدہ تصور کی جاتی تھی مرتب کر کے شائع کی۔

ان کے اساتذہ میں مولانا نذیر حسین کے علاوہ ڈاکٹر عبدالستار صدیقی کا نام بھی قابل ذکر ہے جن سے انھوں نے عربی کے علاوہ فارسی کی بھی تحصیل کی۔ انگلستان میں ان کے استاد پروفیسر مارگولیوتھ تھے اور وہ ڈاکٹر کرینکو سے بھی علمی فیوض حاصل کرتے رہے۔ مارگولیوتھ ان کے تحقیقی کام کے نگراں اور کرینکو بعد کو ان کے مقالۂ علمیہ کے ممتحن بھی مقرر ہوئے۔

ڈاکٹر معظم حسین، ایک عرصے تک یونیورسٹی میں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے اور وہاں کے تحقیقی کاموں کے نگراں رہے۔ ان کے تلامذہ ومستفیدین کی خاصی تعداد ہوگی، بہت نمایاں شاگردوں میں پروفیسر سراج الحق، پروفیسر محمد اسحٰق، ڈاکٹر عبدالباری اور ڈاکٹر سید لطف الحق کے نام لیے جا سکتے ہیں۔ اول الذکر دونوں اصحاب ڈھاکا یونیورسٹی کے شعبۂ عربی واسلامیات کے پروفیسر اور صدر ہو کر متقاعد ہوئے اور اب ڈھاکا ہی میں مقیم ہیں اور بنگلہ دائرۃ المعارف الاسلامیہ کی ترتیب اور دوسرے علمی کاموں میں مصروف ہیں۔

پروفیسر محمد اسحٰق کی کتاب "ہندوستان میں علم حدیث" انگریزی اور اردو میں شائع ہو کر مقبول ہو چکی ہے۔

ڈاکٹر عبدالباری انگلستان میں میرے معاصر رہے ہیں اور خواجہ تاش کہ انھوں نے بھی پروفیسر سر ہملٹن گب (۱۸۹۵ء- ۱۹۷۵ء) کی نگرانی میں کام کرکے اوکسفورڈ سے ۱۹۵۴ء میں ڈاکٹریٹ حاصل کی۔ ان کا مقالۂ علمیہ شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کی تحریک اصلاح پر تھا۔ افسوس ہے کہ یہ قیمتی مقالہ، جہاں تک مجھے علم ہے، ابھی تک شائع نہیں ہو سکا ہے۔ وہ راج شاہی یونیورسٹی کے وائس چانسلر اور پبلک سروس کمیشن کے صدر نشین رہے۔ آج کل بھی وہ حکومت کے ایک اہم عہدے پر فائز ہیں اور ڈھاکا میں مقیم۔

ڈاکٹر سید لطف الحق، ڈھاکا یونیورسٹی سے عربی واسلامیات میں ایم اے کرنے کے بعد مشرقی پاکستان کی حکومت سے وظیفہ پاکر ۱۹۵۲ء میں انگلستان گئے۔ انھوں نے مشہور یہودی عالم پروفیسر الفرڈ گیوم، ("محمڈنزم" کے مصنف اور لندن یونیورسٹی میں عربی کے پروفیسر) کی نگرانی میں ایک قدیم ضخیم اور اہم عربی تصنیف نہایۃ السئول والامنیۃ فی تعلیم اعمال الفروسیۃ مولف نجم الدین محمد بن عیسیٰ بن اسماعیل الاحدب الحنفی الاقصرائی (متوفی ۷۵۰ھ) کو مرتب کرکے ۱۹۵۶ء میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ یہ کتاب جیسا کہ انھوں نے اپنے ایک خط میں مجھے لکھا تھا، اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ اسلام آباد (پاکستان) کو اشاعت کے لیے بھیج دی گئی ہے۔ ۱۹۹۱ء

کے وسط میں ڈھاکا کی ایک ملاقات میں انھوں نے اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا کہ "بوجوہ ان کی کتاب وہاں سے اب تک اشاعت پذیر نہ ہوسکی"۔ ایک مصری دوست نے مجھے اطلاع دی ہے کہ الاستاذ نبیلی محمد عبدالعزیز نے بھی ڈاکٹریٹ کے لیے اسی مخطوطے کا انتخاب کیا تھا اور انھیں اس پر جامعۂ قاہرہ سے ۱۹۷۲ء میں ڈاکٹریٹ تفویض ہوگئی ہے۔ افسوس ہے ڈاکٹر سید لطف الحق ۲۰/اپریل ۱۹۹۲ء کو ڈھاکا میں وفات پاگئے۔ خدا ان کی مغفرت فرمائے اور ان کی تربت ٹھنڈی رکھے۔

افسوس ہے کہ ڈاکٹر معظم حسین جیسے جلیل القدر عالم سے مجھے شرف ملاقات حاصل نہ ہوسکا۔ اگرچہ تعلقات قائم ہوئے اور ہمیشہ استوار رہے۔ ایک موقع ایسا آیا تھا کہ میں ڈھاکا جاکر وہیں کا اور انہی کا ہوجاتا، لیکن قضا وقدر کے فیصلے کچھ اور تھے۔ ۱۹۴۹ء کے اوائل میں ڈاکٹر معظم حسین نے الاستاذ عبدالعزیز میمن کو لکھا کہ یہاں برندابن کالج اور ڈھاکا یونیورسٹی میں عربی کے ایک لکچرر کی ضرورت ہے، اپنے شاگردوں میں کسی ممتاز اور مستعد شخص کا نام بھیج دیجیے کہ تقرر کے لیے مناسب کارروائی کی جائے، الاستاذ نے میرا نام تجویز کیا اور ڈھاکا میں اسے منظور بھی کرلیا گیا، لیکن اس زمانے میں تقسیم سند کی وجہ سے حالات غیر مستقیم تھے، پھر میں الاستاذ کی نگرانی میں ان کے خاص موضوع پر تحقیق کام کرنا چاہتا تھا، اس لیے ڈھاکا یونیورسٹی کی لکچررشپ پر علی گڑھ کی طالب علمی کو میں نے ترجیح دی۔ میں علی گڑھ ہی میں رہا اور پھر یہیں کا ہوکر رہ گیا۔

اگست ۱۹۹۱ء میں ڈھاکا یونیورسٹی نے مجھے یونیورسٹی کے ایک کام سے مدعو کیا تھا، وہاں عربی، اسلامیات، فارسی اور اردو کے سارے اصحاب سے ملاقات ہوئی۔ میں نے ڈاکٹر معظم حسین سے ملنے کی خواہش کا ذکر کیا، ان کے شاگرد اور رفیق شعبہ پروفیسر سراج الحق سابق صدر شعبۂ عربی واسلامیات نے کہا ان سے اس وقت ملنا مناسب نہ ہوگا وہ سخت علیل ہیں، ان کے دوسرے شاگرد ڈاکٹر محمد اسحٰق صاحب نے وعدہ کیا کہ پھر کبھی آیئے تو ملاقات کراؤں گا، اب اطلاع ملی کہ وہ طویل علالت کے بعد ۱۴/اگست ۱۹۹۱ء کو تقریباً ۹۰ سال کی عمر پاکر ڈھاکا میں رحلت کرگئے۔ رحمه الله رحمة واسعة واسكنه فسيح جناته جزاء ما بذل من جهد جهاد في خدمة لسان تنزيله العزيز

(ماہنامہ "معارف" اعظم گڑھ (نومبر ۹۲ء) میں شائع ہونے والے اس مضمون میں صاحب مضمون نے کافی اضافے کیے ہیں اس طرح ایک نئے مضمون کی صورت پیدا ہوگئی ہے۔ (مدیر)